ضیاء الدین لاہوری

سر سید کا نظریہ قومیت اور مولوی عبدالحقؒ

قیام پاکستان کے بعد جب علی گڑھ کے تعلیم یافتہ طبقے نے ایک منصوبے کے تحت شعبہ نوکر شاہی پر اقتدار جمالیا تو ڈاکٹر مولوی عبدالحقؒ کی سربراہی میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے بانی سر سید کے بت کو نئے سرے سے قومی پس منظر کی روشنی میں تراشنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اس کی ابتداء غیر محسوس طور پر سر سید کو دو قومی نظریے کا خالق قرار دینے سے ہوئی۔ اس خود ساختہ مفروضے کو اس شدت اور چالاکی کے ساتھ فروغ دیا گیا کہ بڑے بڑے دانشور اس کا شکار ہو گئے اور ملک کے اکثر قلم کاروں' اساتذہ اور صحافیوں نے آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر لیا۔ یہ فکر تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے نئی نسل کو اس طرح منتقل کی گئی کہ انکے اذہان تسخیر کر لئے یہاں تک کہ اس امر پر یقین کا ایک معیار قرار پایا۔ اس مقصد کے لئے اول مولوی عبدالحق نے ذہنی دھلائی کا بڑا ہنر مندانہ انداز اختیار کیا۔ ایک مضمون میں وہ اس ہنر مندی کا آغاز ان فقرات سے کرتے ہیں :

> "سر سید نے ۵۷ء کے بعد جب قومی خدمت شروع کی تو جتنے کام کئے ان میں کبھی ہندو مسلم کا امتیاز نہ کیا اور نہ کبھی اس کا خیال آیا..... ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں بارہا اس خیال کو بڑے خلوص اور پر اثر الفاظ میں بیان کیا ہے"(۱)

اس کے بعد مولوی عبدالحق سر سید کی تقریروں سے چند اقتباسات درج کرتے ہیں ان میں سے صرف پہلا اور آخری اقتباس ملاحظہ ہو :

> "اے ہندو اور مسلمانو! کیا تم ہندوستان کے سوا اور ملک کے رہنے والے ہو؟ کیا اسی زمین پر تم دونوں نہیں بستے؟ کیا اسی زمین میں تم دفن نہیں ہوتے یا اسی زمین کے گھاٹ پر جلائے نہیں جاتے؟ اسی پر مرتے اور اسی پر جیتے ہو تو یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے ورنہ ہندو' مسلمانوں اور عیسائی بھی' جو اسی ملک میں رہتے ہیں' اس اعتبار سے سب ایک ہی قوم ہیں۔ جب یہ سب گروہ ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدے میں' جو ان سب کا ملک کہلاتا ہے' ایک ہونا چاہیے۔"(۲) "میرے نزدیک یہ امر چنداں لحاظ کے قابل نہیں کہ ان کا مذہبی عقیدہ کیا ہے' کیونکہ ہم اس کی کوئی بات نہیں دیکھ سکتے ہیں لیکن جو بات کہ ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم سب' خواہ ہندو ہوں یا مسلمان' ایک ہی سر زمین پر رہتے ہیں' ایک ہی حاکم کے زیر حکومت ہیں' ہم سب کے فائدے کے مخرج ایک ہی ہیں' ہم سب قحط کی مصیبتوں کو برداشت کرتے ہیں۔ یہی مختلف

وجوہ ہیں جن کی بنا پر میں ان دونوں قوموں کو جو ہندوستان میں آباد ہیں ایک لفظ سے تعبیر کرتا ہوں کہ "ہندو یعنی ہندوستان کی رہنے والی قوم۔" (۳)

ان اقتباسات کے فوراً بعد مولوی عبدالحقؒ لکھتے ہیں :

"ان اقوال سے ظاہر ہے کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے کس قدر حامی تھے۔ تقریر و تحریر میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے بوئے تعصب آتی ہو یا ہندوؤں کی دل آزاری کا باعث ہو........ لیکن جب ہندوؤں کی طرف سے سرکاری دفتروں اور مدارس سے اردو کے خارج کرنے کی تحریک ہوئی تو سرسید کے دل کو بڑی ٹھیس لگی اور بہت صدمہ ہوا۔ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ سرسید کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لئے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہی دنوں میں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا ایک روز مسٹر شیکسپئر سے 'جو اس وقت بنارس میں کمشنر تھے' میں مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے' آخر انہوں نے کہا کہ آج یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے۔ اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے۔ میں نے کہا' اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے' آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب' جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں' بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ کی یہ پیشین گوئی صحیح ہو تو نہایت افسوس ہے۔ میں نے کہا' مجھے بھی نہایت افسوس ہے مگر اپنی پیشن گوئی پر مجھے پورا یقین ہے۔" (۴)

ذرا انصاف کیجئے کہ مولوی عبدالحقؒ نے متحدہ قومیت کے حق میں سرسید کے بیانات سے جو اقتباسات درج کئے ہیں وہ ان کے سن ۱۸۸۴ء کے دورہ پنجاب کے دوران کی گئی تقریروں سے لئے گئے ہیں اور اس کا حوالہ خود ہی پہلے اقتباس کے آخر میں بھی درج کیا ہے۔ ان اقتباسات کو پیش کرنے اور ان کا تجزیہ کرنے کے بعد انہوں نے "لیکن" سے جو فقرہ شروع کیا ہے اس سے قارئین کو بالواسطہ طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اردو ہندی نزاع کا واقعہ اس کے بعد پیش آیا اور اس صدمے سے سرسید نے گویا سابقہ خیالات ترک کر دیئے اس تاثر کی تخلیق کے بعد وہ یہ دور کی کوڑی لائے کہ

"ہندو مسلم نزاع یہیں سے شروع ہوتی ہے اور دو قومی نظریے کی ابتدا یہیں سے ہوئی" (۵)

انسان خطا کا پتلا ہے۔ خطا سے بچنے کی کوشش کے باوجود اس سے سہو ہو جانا ممکن ہے اور ایسی صورت میں سہو نظر انداز کی جا سکتی ہے اگر یہ مولوی عبدالحق کی سہو ہوتی تو اوبات تھی مگر وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ نزاع کا مذکورہ واقعہ سرسید کی درج بالا تقریروں سے سترہ سال قبل (۱۸۶۷ء میں) پیش آیا۔ حالی کی حیات جاوید

میں' جہاں سے انہوں نے یہ واقعہ نقل کیا۔ اس کا بیان ہی متذکرہ سال سے شروع ہوتا ہے۔(۶) خود انہوں نے متعدد موقعوں پر بنارس کے اس ہندی اردو نزاع کے بیان میں ۱۸۶۷ء ہی کا ذکر کیا۔ ان کے مجموعہ خطابات کے صفحات ۱۰۵' ۱۱۲' ۱۱۷' ۶۲' ۱۷' ۳' ۱۸' ۴۱' ۹' ۴۴ اور ۵۲۰ پر باقاعدہ پورے ہندوستان میں اس سال کا حوالہ موجود ہے۔ اسی طرح اپنے مجموعہ مضامین میں انہوں نے دو مختلف مواقع کی تحریروں میں اسی سال کے ذکر کے ساتھ متذکرہ واقعہ پر بحث کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ :

"اس وقت سے محض اردو کی مخالفت کی وجہ سے ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہو گئیں اور دو قومی نظریہ کی بنیاد پڑی اور یہی دو قومی نظریہ پاکستان کی بنا کا باعث بنا۔" (۷)

جب موصوف نے سر سید کے حوالے سے ۱۸۶۷ء ہی میں دو قومی نظریے کی بنیاد ڈال دی تو پھر متحدہ قومیت کے حق میں سر سید کے ۱۸۸۴ء کے خیالات کس کھاتے میں جاتے ہیں؟ مضمون زیر بحث میں سال کا ذکر کر دینے سے قارئین کو گمراہ کرنا ممکن نہ تھا اس لئے اسے حذف کر دینا ہی مناسب خیال کیا گیا۔ اگر مولوی عبدالحق "لیکن" کے لفظ کے بعد ۱۸۸۴ سے زمانہ بعد کے اس قسم کے کسی واقعے کا حوالہ پیش کرتے تو کچھ بات بن جاتی لیکن ایسا کوئی واقعہ تخلیق کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی اس لئے الفاظ کے ہیر پھیر سے من پسند نتائج اخذ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ مولوی عبدالحق کی اس گمراہ کن تحریر سے متاثر پاکستان کے اکثر جز وقتی اور ہمہ وقتی قلم کار' جن کی معلومات کا منبع اصل ماخذ نہیں بلکہ محض سطحی اور تعریفی مضامین ہوتے ہیں' بغیر تحقیق و تصدیق ہی ہانکے چلے جا رہے ہیں کہ سر سید پہلے متحدہ قومیت کے حامی تھے مگر جب بنارس کا اردو ہندی تنازعہ پیش آیا تو انہیں دکھ ہوا اور دو قومی نظریے کی ابتدا ہوئی۔ اور نئی پود بھی اس جھوٹ کو سچ سمجھ کر اس نظریے پر عمل پیرا ہے۔ ۱۸۸۴ء کے خیالات کو ۱۸۶۷ میں ترک کر دینے کا معاملہ کچھ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں بن فلاں نے اپنی شادی سے سترہ سال قبل اپنی بیوی کو طلاق دے دی یا ایک باپ نے اپنی بیٹی کی پیدائش سے سترہ سال قبل اسے ہلاک کر ڈالا۔

یہ تو تھا اس مسئلے میں مولوی عبدالحق کی غلط بیانی کا پس منظر' اب ان کے تخلیق کردہ "تحقیقی نتیجے" پر چند تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر کرتے ہیں :

"بعض کوتاہ بینوں نے سر سید کے اردو ہندی تنازعے میں طرز عمل اور نقطہ فکر کو غلط پیش کیا ہے۔ سر سید اردو کو ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ سماجی اور لسانی جدوجہد کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ اور اس سے علیحدگی کی تحریک کو اپنے متحدہ قومی نظریات کے منافی تصور کرتے تھے۔" (۸)

ڈاکٹر منور حسین اس لسانی تنازعے کے پس منظر میں متذکرہ نتیجہ اخذ کرنے پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"سر سید نے ہمیشہ متحدہ قومیت کی وکالت کی' اس کے حق میں دلیلیں فراہم کیں اور اس تصور کو فروغ

دینے کے خواہش مند رہے مگر لسانی تنازعے کے آئینے میں ان کی نگاہوں نے دیکھا کہ اب یہ دونوں فرقے کبھی بھی متحد و متفق نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے پیش گوئی کی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان پیدا ہونے والی خلیج وسیع ہوتی جائے گی۔ اس پیشگوئی کو دعوت و تلقین سمجھنا بوالعجبی اور ستم ظریفی ہے۔"(۹)

سر سید نے قیام لندن کے دوران میں نواب محسن الملک کے نام ایک مکتوب میں اردو ہندی تنازعے کا ذکر کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اسطرح "ہندو علیحدہ" "مسلمان علیحدہ ہو جائیں گے۔"(۱۰) بعض حلقے اسے تقسیم ہند کی پیش گوئی سے تعبیر کرتے تھے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے فاضل اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے استاد دہلی کے استاد اختر الواسع اس پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"سر سید کے اس خیال کا کہ "ہندو علیحدہ ہو جائیں گے" سہارا لے کر کچھ لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کی وجہ سے مسلمان فرقہ وارانہ سیاست کا شکار ہو گئے یا یہ سب خداوندانِ حکومت (یعنی حکومتِ برطانیہ) کی رضا اور خوشی کے لئے کیا گیا تھا، بالکل غلط ہے...... افسوس تو یہ ہے کہ ہندوستانی قومیت کا تصور آج تک سر سید کے نظریہ قومیت کی سرحد کو چھو بھی نہیں سکا ہے۔"(۱۱)

بہر حال مولوی عبدالحقؒ اس واقعہ ہی کو دو قومی نظریہ کے ابتدا کہتے ہیں اور پھر اس سے یہ نتیجہ بھی نکالتے ہیں کہ :

"قصر پاکستان کی بنیاد میں پہلی اینٹ اردو نے رکھی" (۱۲)

اور غالباً سر سید کی اردو کے حق میں مساعی کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں :

"قصر پاکستان کی بنیاد میں پہلی اینٹ اسی پیر مرد نے رکھی تھی۔"(۱۳)

پھر ان دونوں خیالات کو اس طرح یکجا کرتے ہیں :

"قصر پاکستان کی بنیاد میں پہلی اینٹ اسی پیر مرد کے مبارک ہاتھوں نے رکھی اور وہ اینٹ اردو زبان تھی۔"(۱۴)

درجہ بالا فقرات کی جزئیات پر بحث سے گریز کرتے ہوئے اور تمام بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مولوی عبدالحق کی نگاہ میں "دو قومی نظریہ" ایک مثبت فکر تھی جس کے باعث پاکستان عالم وجود میں آیا لہذا وہ اپنی تحقیق کا سہارا لے کر اس کا کریڈٹ سر سید کو دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ دو قومی نظریے کے حق میں موصوف کے تمام خیالات اس وقت کے ہیں جب ان کے مکتبہ فکر علی گڑھ سے تعلق رکھنے والے طبقے نے ملک میں اچھی طرح پاؤں جما لئے تھے اور تعلیمی نصاب میں ان کا عمل دخل قوی ہو گیا تھا۔ اس سے قبل الگ قومیت کے نظریے کی نوتیج کے پس منظر میں کئی برسوں پر پھیلے ہوئے ان کے چیدہ چیدہ خیالات ملاحظہ فرمائیں۔

"۱۸۵۷ء کے بعد سے رفتہ رفتہ زبان کی چھیڑ شروع ہوتی ہے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط اٹھ گیا اور انگریزی حکومت قائم ہو گئی تو اس وقت ہندوؤں کی ایک جماعت میں قومیت کا ایک نیا احساس پیدا ہوا اور اپنی

قدیم تہذیب کو پھر زندہ کرنا چاہا۔" (۱۵)

"قومیت کی تکمیل بغیر زبان کے نہیں ہو سکتی اس لئے جدید قومیت کے مدعیوں نے اردو کے خلاف جہاد شروع کیا اور اس کی بجائے ہندی کو رواج دینے کی کوشش کی۔" (۱۶)

"آل انڈیا ریڈیو کے ناظم اور اردو کے حامیوں نے منشا یہ تھا کہ خبریں ایسی سادہ اور سہل زبان میں ہونی چاہئیں جسے سب سمجھ سکیں مگر وہ کسی طرح نہیں مانتے تھے اور مصر تھے کہ وہ الگ الگ زبانوں میں نشر ہونی چاہئیں۔ جس طرح ان صاحبوں نے دو قومی نظریے قائم کر کے ہندو مسلمانوں میں افتراق و نفاق پیدا کیا تھا' اسی طرح وہ دو زبانوں کو الگ الگ رواج دے کر اس نظریے کو اور مستحکم کرنا چاہتے تھے۔" (۱۷)

"ہندو مسلم اختلاف کی ابتدا سیاست سے نہیں بلکہ اردو کی مخالفت سے ہوئی...... (ہندو) مختلف صورتوں اور ترکیبوں سے اس آگ کو سلگاتے رہے اور قومی نظریئے قائم کر کے ہندو مسلم اختلاف کو بڑھاتے رہے۔ دو قومی نظریے کے بانی ہندو تھے' نہ کہ قائداعظم یا مسلم لیگ۔ یہ قائداعظم پر ہندوؤں کا بہتان ہے۔" (۱۸)

جب مولوی عبدالحقؒ دو قومی نظریے کا بانی ہندوؤں کو بتاتے ہیں' کسی مسلمان کو اسکا بانی سمجھنے کو بہتان قرار دیتے ہیں اور اسے ہندو مسلم نفاق کا باعث قرار دیتے ہیں تو یہ نظریہ ان کے الفاظ و معانی کے مفہوم سے منفی قرار پایا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ منفی قرار دیا گیا یہ نظریہ سر سید کے معاملے میں مثبت کیسے ہو گیا!

....

(حواشی)

(سر سید کا نظریہ قومیت اور مولوی عبدالحق)

۱۔ سر سید احمد خان (حالات و افکار) ص ۵۹۔۶۰۔　۲۔ ایضاً ص ۶۰　۳۔ ایضاً ص ۶۱
۴۔ ایضاً ص ۶۲۔۶۳　۵۔ ایضاً ص ۶۴　۶۔ حیات جاوید (۱) ص ۱۴۰
۷۔ سر سید احمد خان (حالات و افکار) ص ۱۶۱　۸۔ سر سید کی فکر' ص ۵۲
۹۔ تہذیب الاخلاق علی گڑھ (مارچ اپریل ۱۹۹۸ء) ص ۶۰　۱۰۔ خطوط سر سید' ص ۸۸
۱۱۔ جامعہ دہلی (جولائی ۱۹۹۸ء) ص ۳۳۱۔۳۳۲　۱۲۔ خطبات عبدالحق۔ ص ۴۳۹
۱۳۔ سر سید احمد خان (حالات و افکار) ص ۱۶۲　۱۴۔ سر سید احمد خان (حالات و افکار) ص ۱۳۹
۱۵۔ خطبات عبدالحق ص ۴۴۲　۱۶۔ خطبات عبدالحق ص ۷۱۔۳
۱۷۔ خطبات عبدالحق۔ ص ۳۶۴　۱۸۔ ایضاً ص ۴۱۸

(کتابیات)

(۱) سر سید احمد خان۔ حالات و افکار (مولوی عبدالحق) ۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ۱۹۷۵ء۔
(۲) حیات جاوید (الطاف حسین حالی) نامی پریس کان پور (۱۹۰۱ء)　(۳)۔ سر سید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے (خلیق احمد نظامی) ۔ انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی ۱۹۹۳ء　(۴) تہذیب الاخلاق علی گڑھ (مارچ اپریل ۱۹۹۸)
(۵) خطوط سر سید (مرتبہ سید راس مسعود) نظامی پریس بدایوں (۱۹۲۴)　(۶) جامعہ دہلی (جولائی ۱۹۹۸)
۷۔ خطبات عبدالحق (مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی)۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ۱۹۵۲